Mashalbooks.org

شجرِ گلنار

ساتو کو کازو کی

ترجمہ: آصف فرخی

مشعل
آر۔بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

MashalBooks.org

The Phoenix Tree and Other Stories by Satoko Kizaki
شجر گلنار اور دوسری کہانیاں

Copyright (English) 1990
جملہ حقوق انگریزی

Copyright (urdu)1994 Mashal Pakistan
جملہ حقوق (اردو) مشعل پاکستان

Urdu Tranlsation: Asif Farrukhi
مترجم آصف فرخی

Publishedby: Mashal Books Lahore.
ناشر: مشعل بکس لاہور

MashalBooks.org

پیش لفظ

کہتے ہیں ماضی کا مطلب ہے کوئی اور دیس۔ اپنے تجربات کچھ عرصے بعد ہمیں کسی اور جگہ کی بات معلوم ہوتے ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، ماضی پیچھے ہٹتا جاتا ہے اور ہمیں ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب کسی اور دیس کی بات ہے، ایسا دیس جس کے باشندے دوسرے لوگ ہیں اور جس کے رسم ورواج مختلف۔ ہم اس دیار میں کسی طرح سے پہنچ بھی جائیں تو بدیسی مہمان بنے رہیں گے۔ بیتا ہوا زمانہ وہ علاقہ ہے جو اب ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا ہے۔ جاپانی ادیبہ ساتو کوکی زاکی کے چار طویل افسانوں کے مرکزی کردار ایسے ہی پردیسی ہیں جو اپنے بچپن سے بچھڑے ہوئے ہیں۔ ان کا بچپن ان کا ساتھ چھوڑ گیا ہے، کسی اور دیس کا، کسی اور زمانے کا حصہ بن کر اوجھل ہو گیا ہے۔ وہ اس کھوئے ہوئے ماضی ایک اور طرح سے پردیس بن گیا ہے۔ ان کی ابتلاء میں ان کی اپنی نفسیات کے علاوہ تاریخ کا جبر بھی شامل ہے۔ ان کرداروں کی واردات میں یہ امر واقعہ بھی شامل ہے کہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے جاپان، اپنے پڑوسی ممالک میں دراندازہوتا رہا۔ ایک عالمی طاقت کے طور پر جاپان نے کئی نشیب وفراز دیکھے، دراندازی کے بعد پسپائی کا سامنا کرنا پڑا، اور پرانے معاشرے کی چولیں ہل گئیں۔ مجھے یہ افسانے اس لئے اچھے لگے کہ ان میں ایسے واقعات کا براہ راست بیان نہیں ہوا بلکہ صرف اس حد تک ہوا ہے کہ ان واقعات نے بعد میں آنے والوں کی زندگیوں میں کیسی پیچیدگیاں پیدا کیں۔ وہ لوگ جو ان واقعات سے براہ راست متاثر ہوئے بلکہ ان کی راہ میں آ گئے، وہ اپنے وقت کا حساب ڈھونڈتے ہیں۔ یہ لوگ ہارے ہوئے سپاہی نہیں ہیں، یہ تو وہ بچے ہیں جو ان انقلابات زمانہ کے بہت چھوٹے تھے اور اب بڑے ہو کر اس بچپن کو یاد کرتے ہیں جسے کسی اور شہر میں چھوڑ آئے۔ وہ نہیں جانتے کہ ان جنگلوں میں غاصب کون تھا اور مظلوم کون، ان کو تو محض اپنے بچپن کی اس کیفیت سے سروکار ہے جس سے کٹ کر وہ ادھورے پن کے ہراس میں مبتلا ہیں۔ یادیں، ندامت، خلش، اندیشے اور مستقبل کا خوف ان کے مزاج کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں۔ وہ اپنے وقت پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ دوسرے ممالک کا سفر، سیاسی الیکشن، زچگی، بیماری یا دوسرے لوگوں

سے میل جول ان کے زخموں کو ہرا کر دیتے ہیں، اور ماضی کا سایہ، لمحہ موجود کے اوپر اس بری طرح منڈلانے لگتا ہے کہ اس آسیب سے نظریں چار کئے بغیر ایک قدم بھی اٹھانا دشوار ہے۔ یہ چار افسانے اسی دشواری کا ماجرا ہیں۔

جدید عالمی ادب کے منظرنامے پر جاپانی افسانہ بہت مستحکم اور پر ثروت سرمائے کا حامل ہے۔ انسانی ذہن کے پیچاک سے الجھنا اور انسانی کردار کی درزوں میں جھانکنا اس روایت کی اہم خصوصیات ہیں۔ یہ افسانے اسی دروں بین روایت کے نمائندے ہیں، اور میں نے ان کا ترجمہ اسی اسلوب کو اردو میں متعارف کرانے کی غرض سے کیا ہے۔ میں نے لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے، ان افسانوں کو اردو افسانے کے ایک روپ میں اس طرح ڈھالنے کی کوشش کی ہے کہ اصل کی روح متاثر نہ ہو۔ محمد حسن عسکری سے لے کر خالدہ حسین تک، ہمارے بعض افسانہ نگاروں نے خارجی حقیقت اور واقعات کی اوپری سطح سے آگے جا کر ایسا افسانوی اسلوب اختراع کیا ہے جو باطن کی گہرائیوں میں جھانکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے اس ترجمے کے لئے ایسا پیرایہ اختیار کروں جس پر اس اسلوب کی چھوٹ پڑتی ہو۔ ترجمہ کرنے کے دوران بعض اوقات جی چاہا کہ کہیں کاٹ چھانٹ کروں، خاص طور پر جہاں مجھے افسانہ نگار کا قلم سست بیانی یا اکتاہٹ کا شکار معلوم ہوا۔ لیکن میں یہ سوچ کر باز رہا کہ ترجمہ بار امانت ہے، اور اسے کار محبت ہی رہنا چاہئے۔

محبت چونکہ یک طرفہ بھی ہوسکتی ہے اس لئے میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ اس ترجمے میں بات بن گئی ہے یا بگڑ کر رہ گئی ہے۔ میں نے اپنی طرف سے کوشش تو کی ہے۔ اس کوشش میں جناب مسعود اشعر کا شکریہ واجب ہے کہ اگر ان کا تقاضا نہ ہوتا تو اس کتاب کے ساتھ میری معاملت ترجمہ نہ بنتی۔ اور اس کتاب کا معاملہ بھی یہ ہے کہ کسی اور دیس کے یہ قصے اپنی کہانی معلوم ہوتے ہیں، ایسا دیس جو ہمارا ماضی بھی ہوسکتا ہے اور لمحہ حال کے قریں بھی۔ یہ ترجمہ بھی بازیافت کی کوشش ہے۔

آصف فرخی

MashalBooks.org

ترتیب

ننگے پاؤں	6
شجرِ گلنار	43
مِی ہوالو	112
ققنس کا درخت	130

MashalBooks.org

ننگے پاؤں

شام ہو چلی ہے۔ جھٹ پٹے کی آمد اس پرانے، ایک منزلہ مکان میں بھی محسوس کی جا سکتی ہے، جو اونچی عمارتوں کے درمیان ایک گڑھے کی طرح نظر آتا ہے۔ آٹھ چٹائیوں والا ایک کمرہ اور برآمدہ، اور چھ چٹائیوں والا ایک کمرہ، جن کے سامنے چھوٹا سا باغیچہ ہے، اور اسی باغیچے میں، ٹوکیو سے رخصت ہوتا ہوا سورج اپنے اولین سائے چھوڑ جاتا ہے۔ ساری کھڑکیاں بند بھی ہوں، تب بھی شام کے اندھیرے کا احساس، تین چٹائیوں والے چھوٹے سے اس کمرے تک پہنچ جاتا ہے، جو سامنے والے برآمدے کے فوراً بعد ہے۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا تھا کہ جو کمرہ جی چاہئے استعمال کرو۔۔۔ آخر کو مجھے یہاں تنہا ہی رہنا تھا۔۔۔ مگر اسی جگہ، اسی کمرے کی دیوار سے سر ٹکا کر، جو مجھے اس وقت دیا گیا تھا جب میں کم عمر لڑکی تھی، مجھے اپنے گھر میں ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اور پھر مجھے زیادہ جگہ کی ضرورت بھی نہیں۔ اس دیوار کا سہارا لے کر میں اپنی اداس یادوں کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں سے کھیلتی ہوں، جیسے کوئی ہاتھ یوں ہی اپنے سامنے پڑے ہوئے تاش کے پتوں کو اٹھا کر بکھراتا رہے۔ ان میں سے ایک، میں یوں ہی چن لیتی ہوں، اور انگوٹھے اور انگلی کے درمیان دبا کر اس کا جائزہ لینے لگتی ہوں۔ بہت سارے ٹکڑے ہیں، میں سارا دن ان میں بسر کر سکتی ہوں اور پھر بھی نہ اکتاؤں۔ بعض مرتبہ میں یہ دیکھ کر چونک پڑتی ہوں کہ میں سدھی بیٹھی ہوئی ہوں، اس گھر کی گہرائی میں، جو خود بھی جھٹ پٹے میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس جھٹ پٹے اور اس میں بکھری یادوں سے خود کو چھڑا کر میں باورچی خانے میں چلی جاتی ہوں۔ باورچی خانہ تنگ اور پرانا ہے، مگر جب اس کی بتی جل اٹھتی ہے تو اس میں چچی توکی کی موجودگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ دو مہینے کا وقفہ تھا فرانس سے میری واپسی اور توکی کی اچانک موت کے درمیان، اور اس عرصے میں ہم کھانا ساتھ تیار کرتے تھے۔

سبزی کی ٹوکری سے کچی پیاز نکالتی ہوں۔ کسی کی چیخنے کی آواز آتی ہے، اور پیاز ہاتھ میں لئے لئے، میں کان لگاتی ہوں۔کوئی اعلان کر رہا ہے: ''کوتیوتا کیووود'' کوتیوتا کیووود' ایک عورت کی آواز: ''کوتیوتو تا کیووود!'' عورت کی تیز آواز عمارتوں کی دیواروں سے ٹکراتی ہے، گونج بن کر بار بار پلٹتی ہے، اور آخر کار اس پرانے، تباہ حال گھر میں بھٹکتی ہوئی آ جاتی ہے، پھر جیسے اسے باغیچے میں پیر ٹکانے کی جگہ مل گئی ہو، وہ اچھلتی ہے اور آسمان میں یوں بکھر جاتی ہے جیسے چڑیوں کا غول پنجرہ توڑ کر نکل آیا ہو اور شور مچاتا ہوا اڑا جا رہا ہو۔ ایک لمحے کے لئے آسمان اس آواز سے بھر جاتا ہے ''کوتیوتا کیو''۔ باورچی خانے سے میں باہر نہیں دیکھ سکتی، مگر ان آوازوں کا تصور کر سکتی ہوں جو ایک جھٹکے سے نکلتی ہیں اور ایک لحظے کے لئے شام کے ملگجے نیلے آسمان میں چمک جاتی ہیں۔

میں نل کھول دیتی ہوں اور پانی بھل بھلا کر نکلنے لگتا ہے۔ میرے چچا نے کہا تھا کہ اتنے پرانے مکان کی مرمت کروانا روپیہ پھینکنا ہے، مگر توکی کی خاطر انہوں نے پانی کے پائپ بدلوا دیئے تھے۔ لوہے کے پرانے پائپ زنگ سے اٹ گئے تھے۔ بدلوانے میں 150,000 ین کی لاگت آئی۔ میں یہ سوچتی رہی کے نئے پائپ کب زنگ آلود ہوں گے، مگر انہوں نے کہا کہ ان پر زنگ نہیں آئے گا، یہ پائپ پلاسٹک کے ہیں۔ وہ پرانی وضع کے آدمی تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سوچنے کے معاملے میں عورتیں پیچھے ہوتی ہیں۔ جب وہ پائپ کا ذکر رہے تھے تو ایک طرح کی مسکراہٹ سی ان کے جھریوں بھرے چہرے پر پھیل گئی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ان کاموں کے لئے لوہے کے پائپ کا استعمال اب پرانی بات ہے۔

چچا نے تو نئے پائپ پر 150,000 ین خرچ کر ڈالے، مگر تھوڑے دنوں بعد توکی دل کے دورے میں اچانک فوت ہو گئیں۔ اکیاسی برس کی عمر میں دوسری بیوی انہیں اکیلا چھوڑ گئی تو میرے چچا اراوا چلے گئے تا کہ بیٹے اور بہو کے ساتھ رہ سکیں۔ پائپ میرے حصے میں آ گئے ...... گھر کی دیکھ بھال کرنے والی کے لئے تحفہ۔ یہ اچھی یادگار ہے، بہتا ہوا پانی مجھے چچی کے مصروف ہاتھوں کی یاد دلاتا ہے۔ میں پیاز کے چھلکے کی ایک پرت اتارتی ہوں اور اس کے اندر کا لیس اپنے ہاتھوں پر محسوس کرتی ہوں۔ پیاز کی گٹھی اتنی صاف ہے کہ اسے دھونے کی ضرورت نہیں۔ وہ گول گول پیاز جو فرانس کے بازاروں میں ملتی ہے.......... چھلکے کی چاہے جتنی پرتیں اتار لو پھر بھی اندر سے مٹی نکلتی ہے۔ آنری کہا کرتا تھا کہ پیاز جب اس طرح گندگی جمع کرتی رہتی ہے تو

لس لس ہو جاتی ہے۔ آنری کا بچپن دیہات میں گزرا تھا، اس لئے اسے ان سب باتوں کی خبر تھی۔

میں پانی بند کر دیتی ہوں اور دور سے دھندلی سے بازگشت پلٹ کر آتی ہے: ''مہربانی سے......''۔ ''کوئی تو تا کیو' کے نام سے بیش تر بکھرے ہوئے ٹکڑے، شام کے آسمان میں تحلیل ہو گئے ہیں۔

میں بیسن دانی کے نیچے لگی الماری سے ایک برتن نکال کر اس میں پانی بھر دیتی ہوں۔ میری چچی تو کی سلیقہ مند تھیں، مگر برتن کا نچلا حصہ بالکل کالا ہے۔ فرانسیسی عورتیں اپنے برتن بھانڈے اس وقت تک رگڑ رگڑ کر مانجھتی رہتی رہیں جب تک وہ چمک نہ جائیں، اور بعض مرتبہ مجھ پر بھوت سا سوار ہو جاتا ہے اور میں برتن مانجھنے پر جٹ جاتی ہوں، میرا سارا بدن پاگل کتے کی طرح کانپنے جاتا ہے۔

میں برتن چولہے پر چڑھا دیتی ہوں اور چولہا جلا دیتی ہوں۔ نیلا شعلہ بھڑک اٹھتا ہے۔ اچانک: ''نارا شیما یومی کو!'' الفاظ جیسے آسمان سے گرے ہیں، شاید میرے سر کے اوپر۔ ''نارا شیما یومی کو! آپ کے علاقے کے لئے، نارا شیما یومی کو......'' اعلان کرنے والی گاڑی سڑک پر شاید میرے گھر کے سامنے رک گئی ہوگی۔ کیا وہ مجھ سے براہ راست خطاب کر رہے ہیں؟ ایسا ہو تو نہیں سکتا۔ میرے چچا سے کہہ رہے ہوں گے؟ دروازے پر انہی کے نام کی تختی لگی ہے۔ پانی ابلنے کے انتظار میں، مجھے احساس ہوتا ہے: اس گھر کے دونوں طرف کی عمارتیں اور سڑک کے اس پار بھی فلیٹ ہیں۔ مجھے نہیں معلوم ان میں کتنے آدمی رہتے ہیں، مگر بہت سارے ہوں گے۔ ظاہر ہے انہیں کیا پتہ ہوگا اس عورت کے بارے میں جس کے شوہر نے خودکشی کر لی، جو فرانس سے آئی ہے اور یہاں اس بچے کھچے پرانے مکان میں رہ رہی ہے۔ یقیناً نارا شیما یومی کو نہیں جانتا۔

پانی ابل رہا ہے، میں اس میں ''اوڈون'' ڈال دیتی ہوں۔ نمکین سویاں پیلی اور ملگجی سی ہیں۔ انہیں کھولتے ہوئے پانی میں ڈالو تو کافی دیر تک سخت رہتی ہیں اور چاہے جتنے زور سے چمچہ چلاؤ، تھوڑی سی ٹیڑھی تو ہو جاتی ہیں، ٹوٹتی نہیں ہیں۔ مگر ''اوڈون'' آٹے کی طرح سفید ہوتی ہے اور ذرا دیر میں گھل کر پانی کا رنگ بدل دیتی ہے۔ اگر اتفاق سے، ڈوئی اس میں جلدی ڈال دو تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے میں احتیاط کرتی ہوں۔ آہستہ آہستہ ڈوئی چلاتی ہوں اور جب پانی بھاپ دینے لگتا ہے تو اس میں اور ٹھنڈا پانی ملا کر چولہے کی آنچ دھیمی کر دیتی ہوں۔

MashalBooks.org

پھر میں سامنے والے برآمدے میں آتی ہوں اور دروازہ ذرا سا کھول کر جھانکتی ہوں۔ مجھے دیکھنا ہے کہ نارا شیما یومی کو کی صورت کیسی ہے۔ گھر کے سامنے ایک سفید گاڑی رکی ہوئی ہے۔ اس کی چھت پر اشتہار نصب ہے: ''نارا شیما یومی کو کمیونسٹ پارٹی کی نمائندہ!'' میں تو سمجھ رہی تھی کہ ٹرک ہوگا جس پر بہت سے لوگ سوار ہوں گے، مگر یہ تو عام سی موٹر ہے جس میں ایک نوجوان اور دو عورتیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ عورتیں ملتے جلتے سفید بلاؤز اور نیلے اسکرٹ پہنے ہوئے ہیں، وردی جیسے، اور سینے پر سفید پٹیاں ہیں۔ وہ دونوں، ایک جو مائکروفون تھامے ہوئے ہے اور دوسری طرف جس کے ہاتھ اسٹیرنگ وھیل پر ٹکے ہوئے ہیں، سڑک کے دوسری طرف بڑی عمارت کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ میرا برآمدہ سڑک سے تھوڑی اونچائی پر ہے، اس لئے میں وہاں سے گاڑی کے اندر تک دیکھ سکتی ہوں۔ مرد کا سر جھکا ہوا ہے، وہ ایک بڑے سے کاغذ پر کچھ لکھ رہا ہے، جو اس کے گھٹنوں پر رکھا ہوا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ نارا شیما یومی کو کیسی ہیں، مگر یہ ظاہر ہے کہ وہ ان دونوں خواتین میں سے نہیں ہیں۔ اسٹیرنگ وھیل پر بیٹھی گاڑی چلا دیتی ہے۔ سفید گاڑھی چلی جاتی ہے اور میں دروازہ بند کر دیتی ہوں۔ میں اس میں تالہ بھی لگا دیتی ہوں اور دروازے کی درز میں سے جھانکتی ہوں۔ سامنے فلیٹوں میں تقریباً ہر کھڑکی میں سے روشنی آ رہی بعض میں، شیشے کے اندر سے ٹیلی وژن اسکرین چمکتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ عمارت کے اوپر نظر آنے والا آسمان عجیب سے سرخ رنگ کا ہے، جیسے اس پر عمارت کی اینٹ کی چھوٹ پڑ رہی ہو۔ ریل کی جس پٹڑی پر آنزی کود گیا تھا اس کے آس پاس کا علاقہ بھی کچھ دیر کے لئے اسی رنگ کا ہو گیا تھا۔ جو ڈرائیور اس کے اوپر سے گزرا تھا وہ اس پورے عرصے اس کا دوست رہا تھا جب وہ قومی ریل کمپنی میں کام کرتا تھا۔ یہ بڑا تلخ تجربہ رہا ہوگا۔ ....میرا مطلب ہے اس کے دوست کے لئے۔ یہ بھی کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا کہ کودنے سے پہلے آنزی کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوگا کہ سامنے آنے والی ریل کو جو شخص چلا رہا ہے وہ اس کا دوست ہے، مگر ظاہر ہے بعد میں تو اسے گھن نہیں آئی ہوگی ....اس وقت تک تو وہ مر چکا تھا۔

مجھے چولہے پر چڑھے برتن کا خیال آ رہا ہے۔ میں تیزی سے باورچی خانے کی طرف آتی ہوں۔ میں نے احتیاطاً زیادہ پانی ڈالا تھا، مگر وہ سب ابل گیا اور برتن سے بھاپ نکلنے کی آواز آ رہی ہے۔ نیم شفاف سا سفید شوربہ ابل کر چولہے پر گر پڑا ہے۔ یہ چپچپا ہے اور جمنے لگا ہے، اس کا جو حصہ چولہے کے عین اوپر تھا جل کر کالا جو ہو گیا۔ ہوا میں جلنے کی بو ہے۔ مگر یہ بو خراب نہیں،

MashalBooks.org

جیسے چاول جل گئے ہوں اور دیگچی کی تہہ سے لگ گئے ہوں۔ میں برتن کو دونوں طرف سے اٹھا لیتی ہوں اور جلدی جلدی..................اس لئے کہ گرم ہے..........بیسن دانی میں نل کے نیچے الٹ دیتی ہوں۔ گاڑھا گاڑھا سفید پانی بھاپ چھوڑ رہا ہے اور اوڈون کے موٹے لچھے اپنے ہی گرد مڑے جا رہے ہیں۔ گھن آ رہی ہے، جیسے لمبے لمبے سفید کیڑے گدلے مادے میں تیر رہے ہوں۔ نمکین سویوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ اسے کھولتے ہوئے پانی میں زیادہ دیر کے لئے بھی چھوڑ دو تو نرم پڑ جاتی ہیں، مگر الگ الگ ہی رہتی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اوڈون خراب ہو گئی، مگر پھر بھی پس وپیش میں ہوں۔ یہ بات نہیں کہ مجھے پھینکنے کا افسوس ہے، بس یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کا کیا کروں۔ آخر کار میں اسے چھلنی میں ڈال دیتی ہوں۔ اگر اسے پانی کی طرح سمجھوں اور نالی میں بہانے لگوں تو جو اوڈون ابھی تک جمی ہوئی ہے، وہ نالی کو بند کر دے گی۔ باقی اتنی گیلی اور لیس دار ہے کہ کوڑے میں نہیں پھینکی جا سکتی۔ چھلنی میں بھی جمے ہوئے ٹکڑے، سوراخوں کو بند کر دیتے ہیں، اور میں ہلانے کی کوشش کرتی ہوں تو سارا ڈھیر لرز اٹھتا ہے مگر چھلنی سے باہر نہیں نکلتا۔ میں نل کھولتی ہوں اور پانی چھلنی میں جمع ہونے لگتا ہے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہوں کہ لچھے دھل کر صاف ہو گئے ہیں۔ اوڈون کی شکل اب عجیب سی ہو گئی ہے، کناروں پر سے کھردری سی، مگر اس کا لیس نکل گیا۔ میں ایک لچھا اٹھا کر چکھتی ہوں، وہ اتنا سخت ہے کہ کھایا نہیں جا سکتا۔ میں پانی بہا کر چھلنی کوڑے پر الٹ دیتی ہوں۔

آسمان تیز سیٹیوں جیسی آواز سے گونج رہا ہے، جیسے کئی سائرن وقفے وقفے سے بج رہے ہوں، مگر مجھے پتہ ہے کہ یہ وہی مائکروفون والی گاڑی ہے۔ مائکروفون کی آواز سیٹی جیسی ہے۔ عورت کی آواز۔ جیسے چیخ رہی ہو۔ اچانک میرے ذہن میں نارا شیمایومی کو کی تصویر ابھرتی ہے: بال بکھرے ہوئے، تیز آواز میں چیختی ہوئی، اونچی اونچی عمارتوں کے درمیان ننگے پاؤں بھاگ رہی ہے۔ اس کے کھلے بال ہوا میں ایمریلڈا کے گیسوؤں کی طرح اڑ رہے ہیں اور اسکرٹ کا دامن پھٹا ہوا ہے۔ سیمنٹ کے فرش سے ننگے پاؤں پر خراش آ گئی ہے اور خون نکل رہا ہے۔ اس کا چہرہ تڑخا ہوا ہے، جیسے جھاڑو پر سوار چڑیل۔ اپنا نام پکار پکار کر وہ التجا کر رہی ہے: ''مجھے ووٹ دو، میرے نام پر ووٹ دو!'' اور سرخ آسمان تلے سڑکوں پر بھاگتی پھر رہی ہے۔ اس کی اذیت ناقابل تصور تھی، اسی لئے وہ اتنے زور سے چیخ رہی تھی۔

شاید ہوا کا رخ بدل گیا ہے، یا پھر یہ عمارتوں کے طرز تعمیر کی وجہ سے ہے: سیٹی کی آواز

MashalBooks.org

اب بالکل واضح اور صاف ہے۔ میں کان لگا کر سنتی ہوں تو یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں: ''آئی کاواماسارو'' مردانہ نام۔ شیمایومی کو نہیں۔ کیا اس مرد کی بیوی اس کے نام کا اعلان کر رہی ہے؟ ایک مرتبہ، دوپار کے ایک دیس میں، ایک آدمی کی بیوی گھوڑے پر بیٹھی اور ساری گلیوں سڑکوں پر ننگے بدن گھومی تھی کہ اس دیس کے شہریوں کو اپنے شوہر کے غیظ وغضب سے بچا سکے۔ اس کے لمبے لمبے بالوں نے اس کا پورا بدن ڈھانپ لیا تھا اور وہ اسی سج دھج سے چلی تھی جو اس کے مرتبے کے مطابق تھی۔ لوگ باگ اس نیک دل عورت کو شرمندگی سے بچانے کے لئے گھروں میں گھس کر بیٹھ گئے تھے اور کھڑکیاں بند کر دی تھیں۔ ایک شخص نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تھا کہ کسی طرح اس عورت کی برہنگی کی جھلک دیکھ لے، اور اسے اس کی سزا مل گئی تھی: اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اسی لئے اگر مجھے اس چیختی ہوئی گاڑی میں آنے والی کاواماسارو کی بیوی مل گئی تو میں نظریں جھکا لوں گی تا کہ دیکھ نہ سکوں۔

سارے دن بارش ہوتی رہی ہے۔ بارشوں کا موسم اور میں چھ برس دور رہنے کے بعد جاپان واپس بھی آئی، تو بارش کے موسم میں۔ غسل خانے کے باہر بارش کے پانی سے جوہڑ سا بن گیا ہے۔ چھت ٹپک رہی ہے۔ میں اس پانی پر کپڑا رکھ دیتی ہوں۔ تین چٹائیوں والے، کمرے کی دیواریں اور فرش نم ہو گئے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ مجھے یادوں کے وہ سارے منتشر اجزاء جمع کر کے دوسرے کمرے میں منتقل ہو جانا چاہئے۔

فون کی گھنٹی بجتی ہے اور میں سٹ پٹا جاتی ہوں۔ ابھی تک میں اس گھر میں فون بجنے کی عادی نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے پیرس میں ماروئی شوجی کے دفتر میں فون تھا۔ مگر ف........... کے قصبے میں جہاں ہم رہتے تھے، آنزی نے فون کی اجازت نہیں دی تھی۔ میں اس لئے فون لگوانا چاہتی تھی کہ اگر آنزی کو دورہ پڑ جائے تو مجھے خبر ہو سکے، مگر اس سے لوگوں کا فون بجنے کی آواز برداشت نہیں ہوتی تھی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ہم فون کی گھنٹی کی آواز کم کر کے بالکل آہستہ کر دیں گے، تب بھی اس نے فون لگوانے کی حامی نہ بھری۔ جب میں نے اس کے برف سے سفید چہرے اور سرخ بالوں کی طرف دیکھا اور سوچا کہ میری بات سے اسے کتنی کوفت ہوتی ہوگی، تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ شاید اتنی نازک جلد والے لوگ ہر قسم کے شور اور روشنی کے معاملے میں زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو اسے ہر وقت نشے میں دھت رہنا پڑتا تھا۔

آنزی کے والدین، بریتینی کے اس قطعہ زمین پر کاشت کرتے تھے اور وہیں رہتے تھے

MashalBooks.org

جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔ ایک ہی مرتبہ میں وہاں گئی تھی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی کہ وہاں گیس اور بجلی بھی نہیں تھی، ٹیلی فون تو بڑی بات ہے۔ وہ چھوٹا سا مکان، جو قریبی پہاڑ کے پتھروں اور گچ سے بنا ہوا تھا، تین حصوں میں تقسیم تھا: ایک جانوروں کے لئے، ایک چارہ جمع کرنے کے لئے اور ایک حصہ لوگوں کے رہنے کے لئے۔ سوروں، بکروں اور مرغیوں کی بو، جو سارے گھر پر طاری رہتی، اس قدر تیز تھی کہ باقی تمام بدبوؤں پر حاوی ہو جاتی تھی.......... تیل کی بتیوں اور آتش دان کے دھوئیں کی بو۔ آنری کے والدین کا گھر، ترقی اور تہذیب کی تکالیف سے محفوظ تھا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنری وہاں خوش تھا۔ جب وہ اپنے عمر رسیدہ متحمل والدین کے ساتھ ہوتا تھا تب بھی سارے وقت چپ چاپ بیٹھا شراب پئے جاتا۔ مگر فرانسیسی قومی ریل کمپنی نے بالکل غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا تھا کہ اس شخص کو ملازم رکھ لیا جو بظاہر پرسکون نظر آتا تھا مگر ٹیلی فون کی گھنٹی سے بھی سہم جاتا تھا اور پھر آنری مرگی زدہ اور شرابی تھا۔ ٹھیک ہے وہ چھوٹا سا مضافاتی قصبہ ہی تھا جو ایک گھنٹہ میں صرف ایک ریل گاڑی کی شکل دیکھتا تھا، پھر بھی انہیں خیال کرنا چاہئے تھا۔

فون بجے جا رہا ہے۔ میرے پاس اب کوئی اور چارہ نہیں کہ اٹھ کر بات کرو۔

''ہیلو؟''

''چچا جان۔''

''میں کل آؤں گا۔''

''اچھا۔''

''الیکشن کا دن ہے۔ اندراج کے کاغذات آ گئے تھے؟''

''پوسٹ کارڈ کی طرح کے؟''

''ہاں وہی۔ تمہارے سے ہوتا ہوا جاؤں گا اور ووٹ دینے سے پہلے لے لوں گا۔''

''تمہارے ہاں؟ یہ تو آپ کا گھر ہے۔''

''جب تم یہاں رہ رہی ہو، یہ گھر تمہارا ہے۔ لیکن تم نے بات چھیڑی ہے۔ تو یہ بتاؤ کہ اس علاقے کی شہری کی حیثیت سے تمہارا نام درج ہے؟''

''بات یہ ہے......''

''تم نے فارم بھرا تھا؟''

''ایک آدھ فارم آیا تو تھا، مگر میں نے غور سے نہیں دیکھا۔ دونوں پر ''کوبوتا'' لکھا ہوا تھا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آپ کے اور چچی توکی کے لئے ہوں گے۔''

''یہ تو بری بات ہے، وہ مر چکی ہے۔ مرنے کے بعد ووٹ ڈالنے کا حق جاتا رہتا ہے۔''

عجیب بات ہے: ''ووٹ ڈالنے کا حق''............ جیسے باقی کے سارے حقوق برقرار رہتے ہیں۔ کوئی حق ایسا بھی ہے جو مرنے کے بعد برقرار رہتا ہے؟ شاید یہ حق باقی رہتا ہو کہ کسی اور شخص کے ذہن میں دوبارہ جی اٹھیں............

''ان میں سے ایک کوبوتا سیکو کے نام ہوگا''

''شاید ہو۔''

یہ توکی نے کیا ہوگا، وہ اتنا ہی باریک بین تھی، اور اس نے دفتر کو اطلاع کر دی ہوگی کہ میں فرانس سے لوٹ آئی ہوں۔

''ووٹ ن۔ اسکول میں پڑیں گے۔ تم میرے ساتھ چلی آنا۔''

''مگر مجھے نہیں پتہ کہ ووٹ کس کو ڈالنا چاہئے۔''

''ہاں ٹھیک ہے، تم اتنے عرصے ملک سے باہر رہی ہو۔ ناراشیما یومی کو کے سوا کوئی بھی ہو۔''

''اس میں کیا خرابی ہے؟''

''وہ عورت ہے، اور اوپر سے کمیونسٹ بھی اور وہ مقابلے میں آگے ہے۔ برابر کی چوٹ ہے، بلکہ یہ واحد نشست ہے جس پر ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ اس لئے کم از کم کمیونسٹوںؒ کے خلاف تو ووٹ دو۔''

''آپ کتنے بجے آئیں گے؟''

''صبح کسی وقت''

''اچھا، میں کھانا تیار کر لیتی۔''

''تم کر لوگی؟ اچھا پھر، ہم تمہارے مہمان ہوں گے۔ ہارومی کو کبھی کبھار چھٹی چاہئے ہوتی ہے۔'' ہارومی ان کی بہو ہے، چھوٹے بیٹے کی بیوی۔

میں بٹوہ، رومال اور چابیاں خریداری کے تھیلے میں ڈال لیتی ہوں، ننگے پاؤں میں چپل پہن لیتی ہوں اور کھانے کی چیزیں خریدنے کے لئے باہر چلی آتی ہوں۔ ف............ میں

معمولی سے کام کے لئے بھی مجھے جوتے پہننے پڑتے تھے اور دستی تھیلا لے جانا پڑ جاتا تھا۔ دستی تھیلا غیر ملکی کی حیثیت سے میرا شناختی کارڈ رکھنے کے لئے تھا، اور وہاں کوئی چپل نہیں پہنتا۔ بارش تیز ہو رہی ہے۔ میری چپلوں کے تلوے، فٹ پاتھ پر بہتے پانی پر چھپ چھپ کر رہے ہیں۔

ژاکولیں بہت خوش ہوئی تھی جب آنزی اور میں ساتھ رہنے لگے تھے۔ اس سے پہلے جب وہ ماروئی چی شوجی کے پیرس والے دفتر میں صفائی کا کام کرتی تھی تو مجھے اپنے بھائی پر پڑنے والے دوروں کے بارے میں بتاتی رہتی تھی۔ اس نے کہا کہ اب اسے بڑا اطمینان ہوا ہے کہ اگر اب اسے دورہ پڑا تو میں اس کے ساتھ ہوں گی، اور جب میں نے کہا کہ دن بھر تو میں اس کے ساتھ نہیں ہوتی تو وہ کہنے لگی کہ دن بھر ریلوے اسٹیشن میں اس کے ساتھی اس کا خیال کر لیں گے۔ حالانکہ یہ تو ایسی بات تھی جیسی قومی ریل کمپنی نے ف............اسٹیشن پر اپنے تمام عملے کو آنزی کا نگراں مقرر کر دیا ہو۔ ظاہر ہے یہ ''عملہ'' آنزی اور اسٹیشن ماسٹر سمیت صرف چار آدمیوں پر مشتمل تھا۔

ہم پہاڑی پر ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے جو اسٹیشن سے دس منٹ کی مسافت پر تھا۔ ف کا قصبہ، پیرس کاموں پاناس سے ریل کے ذریعے چالیس منٹ کے فاصلے پر تھا، اور پیرس کے بہت سے لوگوں کے اس قصبے میں مکان تھے جہاں وہ ہفتہ وار چھٹی گزارنے آتے تھے، اسی پہاڑی پر کئی گھر ایسے تھے۔ ان میں سے ایک مکان کا مالک مر گیا اور مکان خالی ہو گیا تو ہم نے اسے کرائے پر لے لیا۔ قانونی طور پر ہماری شادی کبھی نہ ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ شادی کا اندراج کرانے میں بہت مصیبت ہے کیوں کہ میں غیر ملکی تھی اور آنزی کو بھی کون سا زندہ رہنا تھا۔ مگر پھر بھی ہم میاں بیوی تھے۔ ہر ایک ہمیں شادی شدہ جوڑے کی طرح سمجھتا تھا: ژاکولین، اسٹیشن کا عملہ اور کیفے کا مالک۔ ژاکولین ہماری ''شادی'' پر بہت خوش تھی اس کے تھوڑے دن بعد.....مگر اس کی وجہ سے نہیں......اس نے طلاق حاصل کر لی، ماروئی چی شوجی میں صفائی کی نوکری چھوڑ دی اور اپنے بچوں کو لے کر گرجا گھر کے پاس ایک فلیٹ میں منتقل ہو گئی۔ اس کا سابق شوہر بھی شرابی تھا، مگر آنزی کے برخلاف، نشے کی حالت میں بہت گالم گلوچ کرتا تھا۔ طلاق سے پہلے اس نے مجھے وہ سرخ، عنابی چوٹ کے نشان دکھائے تھے جو اس کے سفید پھولے ہوئے بدن پر جا بجا لگے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت ہنس رہی تھی، مگر میں یہ نشان دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ ژکولین اپنے بھائی کی طرح مرگی زدہ نہیں تھی،، مگر اسے گردے کی بیماری تھی اور میں نے غور کیا